P. O. RGD No. A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڈھ کا پندرہ روزہ اخبار

سالانہ چندہ دو روپے

قیمت فی پرچہ دو آنے

جلد ۹ | یکم ستمبر سنہ ۱۹۵۰ع | اڈیٹر:- قاضی عبدالغفار | ۱۵ ذیقعد ۱۳۶۹ ہجری | نمبر ۱۷

کچھ اپنی باتیں

لکھنو میں انجمن کی شاخ

۱۳ اگست کو لکھنؤ میں انجمن کی شاخ کا افتتاح کرتے ہوئے مرکزی انجمن کے جنرل سکریٹری نے افتتاحی جلسہ میں کوئی تقریر کی اس کا ضروری خلاصہ اس غرض سے پیش کیا جاتا ہے تاکہ انجمن کی دوسری شاخوں کو بھی مرکز کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

ان حالات اور واقعات کا ذکر کرتے ہوئے جو سنہ ۱۹۴۷ع میں اور اسکے بعد پیش آئے اور جنکی وجہ سے مرکزی انجمن کو دو سال تک معطل رہنا پڑا قاضی عبدالغفار صاحب نے بتایا کہ کس طرح حکومت ہند اور خصوصاً وزیر تعلیم آنریبل مولانا ابوالکلام آزاد کی توجہ اور ہمدردی نے انجمن کے کارکنوں کو اس کا موقعہ دیا کہ وہ انجمن کا ایک نیا دور شروع کریں۔ قاضی صاحب نے فرمایا:-

"ابھی میں بنارس میں انجمن کی ایک شاخ کا افتتاح کرکے آرہا ہوں۔ وہاں یہہ دیکھکر میرے اطمینان قلب میں اضافہ ہوا کہ اردو کے حامیوں اور ہمدردوں کی ایک بڑی جماعت اردو زبان کے لئے کام کرنے پر آمادہ ہے مجھے یقین ہے کہ یہی حالت لکھنؤ میں ہوگی۔

جب انجمن کی زندگی کا یہہ نیا دور شروع ہوا تو جن لوگوں نے انجمن کے کام کی ذمہ داریوں کو قبول کیا ہے انہوں نے غور کرنا شروع کیا کہ ان بدلے ہوئے حالات میں کونسی ایسی تدبیر اختیار کی جائے کہ اردو زبان اپنے مقام پر قایم بھی رہے اور ملک کی قومی زبان کی تشکیل میں اس کو وہی حصہ ملے جس کی وہ مستحق ہے"۔

ایک مستحکم عقیدہ

"میں نے جس وقت انجمن کے سکریٹری کے عہدے کی ذمہ داریاں قبول کیں تو میں اس کام کی موجودہ مشکلات سے پوری طرح واقف تھا۔ لیکن میرے دل میں یہہ مستحکم عقیدہ موجود تھا اور ہے کہ اردو زبان آج بھی ملک کی قومی زبان بننے کی صلاحیت رکھتی

ہے اس لئے کہ وہ ملک کی مختلف زبانوں اور فرقوں کے میل جول ہی سے پیدا ہوئی ہے اور اسکی فطرت میں ایسی لچک ہے جو کسی دوسری زبان کو میسر نہیں - اسی لئے آج بھی اسے عوام کی سند قبولیت حاصل ہے - کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی میرے دل میں یہہ خیال نہیں آتا کہ اردو زبان کبھی فنا ہوسکتی ہے یا ملک کے کسی ایک گوشہ یا کسی ایک فرقہ کی زندگی میں محدود کی جاسکتی ہے - اسی بنیادی عقیدے کی بنا پر انجمن کے اراکین نے اسکے جدید دستور میں اغراض و مقاصد کا تعین کیا - انہوں نے بدلے ہوئے حالات کے متعلق ایک غیر جذباتی نقطہ نظر اختیار کیا اور یہہ فیصلہ کیا کہ وہ کسی حال میں اردو زبان کی عمومیت کو محدود نہ ہونے دینگے اور اب اس میدان میں کام کرینگے جہاں عوام کی زندگی میں ایک "کل ہند" اور قومی زبان کی تعمیر کا ارتقائی عمل جاری ہے"

اغراض و مقاصد

انجمن کے اغراض و مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے قاضی صاحب نے فرمایا کہ:-

"اگر آپ انجمن کے اغراض و مقاصد کا گہری نظر سے مطالعہ کرینگے تو آپ کے لئے اس بات کا سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ پورانے دور کا بنیادی مقصد (یعنی اردو زبان کی حفاظت اور ترقی) اپنی جگہ اب بھی قایم ہے البتہ انجمن کے اراکین نے اردو کے اثر کا دایرہ وسیع کرنے کے لئے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے اور اسکی زیادہ عام فہم شکل "ہندستانی" کو بھی پھیلانے کا کام اپنے ذمہ لیا ہے تا کہ آزاد ہندستان کی قومی زبان کی تعمیر میں اردو کو بھی اسکا جایز حصہ ملے - اغراض و مقاصد کا یہ گوشہ گہری توجہ کا مستحق ہے اور آپ مجھے معاف فرمائیں اگر میں کسی قدر تفصیل کے ساتھہ اس نقطہ نظر کی وضاحت کرنے میں آپکا قیمتی وقت صرف کروں -

قدیم اردو زبان ادبی اور علمی حیثیت سے اپنا ایک مقام رکھتی ہے - اوسکو محفوظ رکھنا ہمارا پہلا فرض ہے - تاریخی روایات کے اس خزانے میں زبان کی جو دولت جمع ہے اسے ہم ضایع کرکے ملک کی مشترک تہذیب اور کلچر کے دشمن نہیں بن سکتے - لیکن اسی کے ساتھہ ہمیں حقایق سے آنکھیں بند کرنے کی غلطی سے بھی بچنا چاہئے اور اس بات کو تسلیم کرنا چاہئے کہ آزاد ہندستان میں قومی زبان کا جو تصور اب ہمارے سامنے ہے وہ جمہوری ہے یعنی کسی زبان کے قومی زبان ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ اب عوام پر منحصر ہے - ہماری قومی زبان وہی ہوگی جسکو عوام قبول کرینگے - وہ زبان لازماً ملک کی تمام زبانوں اور تمام فرقوں کے میل جول کا نتیجہ ہوگی، اس لئے کہ قومی زبان وہی ہوسکتی ہے جو مختلف صوبوں کے درمیان جنکی مقامی زبانیں مختلف ہیں بولی اور سمجھی جاسکے یہ خصوصیت آج بھی اردو زبان میں سب سے زیادہ موجود ہے اور اسکی اسی خصوصیت میں اضافہ کرنے کے لئے اگر انجمن کے اراکین نے اسکی آسان اور عام فہم شکل کو ملک میں زیادہ ہر دلعزیز بنانے کا ارادہ کیا ہے تو وہ وقت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے - درحقیقت انجمن کی نظر مستقبل پر تھی جب اس نے اس مقصد کو اپنے بنیادی مقاصد میں شامل کیا -

جیسا کہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ضروری تھا انجمن نے یہ بھی طے کیا کہ اردو اور اسکی آسان شکل "ہندستانی" کو کسی نہ کسی تدبیر سے اون عوام تک بھی پہنچایا جائے جو اس سے بیگانہ ہیں لیکن جنکی رائے قومی زبان کے تصفیہ میں بہت وزن رکھیگی - ان تک پہنچنے کے لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ اون ہی کے رسم الخط کو واسطہ بنایا جائے - چنانچہ انجمن نے یہ فیصلہ کیا کہ اردو رسم الخط کے علاوہ دیوناگری اور ہندستان کی دوسری زبانوں کے رسم الخط میں بھی اردو زبان کی کتابیں شائع

کی جائیں تاکہ ہماری آواز اُن حلقوں اور گوشوں تک پہنچے جہاں تک اوسکے پہنچنے کا اور کوئی راستہ نہیں۔ اسکے یہہ معنے نہیں کہ اُردو رسم الخط میں کتابوں کی اشاعت کم کردی جائیگی۔ جسطرح اسوقت تک ہوتا رہا ہے انجمن اُردو رسم الخط میں اپنی کتابیں شائع کرتی رہیگی لیکن وہ ساتھہ ہی ساتھہ زبان کی آسان شکل کو بھی جو ملک کے ہر صوبہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور جسکی طرف وہ لوگ بھی جھکتے ہیں جنکی مادری زبان اُردو نہیں ہے اختیار کریگی تاکہ تمام صوبوں کا جنکی مقامی زبانیں مختلف ہیں اُردو سے ربط قایم کیا جاسکے

ہندی اردو

اس بحث میں ہندی کا نام بھی آتا ہے۔ جسوقت سے کچھ اہم ہندو اور مسلمان فرقہ پرستوں نے زبان کے مسئلہ کو فرقہ واری سیاست میں الجھایا اُردو اور ہندی کا نام لیتے ہی ان دونوں کی رقابت کا خیال دماغ میں آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہہ ہے کہ ان دونوں کی قدیم رقابت کا اب کوئی امکان باقی نہ رہنا چاہئے۔ "ہندی" کو ملک کے نمایندوں کی اکثریت نے ملک کی سرکاری زبان قرار دیا ہے۔ اس فیصلہ کو ہم سب قبول کرتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ کیوں قبول نہ کریں۔ گذشتہ ڈیڑہ سو سال میں ایک غیر قوم اور غیر ملک کی زبان کو ہمنے اسطرح اپنایا تھا کہ آج بھی انگریزوں سے بہتر انگریزی بولنے اور لکھنے والے ادیب ہمارے ملک میں موجود ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جب خود ہمارے ملک کی ایک زبان جو اُردو اور "ہندستانی" سے بہت قریب ہے سرکاری زبان قرار دی جاتی ہے تو ہم اوسکے پڑھنے اور سیکھنے میں عذر کریں۔ ہمارے بچے پہلے بھی بیک وقت دو دو اور تین تین زبانیں سیکھتے تھے اور اب بھی سیکھہ سکتے ہیں۔ البتہ دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ اول تو یہہ کہ ہمارے بعض لیڈر اور اخبار نویس سرکاری زبان کا اسطرح ذکر کرتے ہیں کہ گویا وہی ملک کی قومی زبان بھی بن چکی ہے۔ دنیا میں کوئی عوامی زبان حکومت کے حکم یا چند لیڈروں کے کہنے سے نہ آج تک کبھی پیدا ہوئی نہ ہوسکتی ہے۔ دنیا کی لسانیات کی تاریخ کو اسطرح جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ ہر ملک کی قومی زبان عوام کی زندگی میں نشو و نما پاتی ہے اور ہندستان میں بھی وہ اسی طرح پیدا ہوگی۔ حکومت اس حقیقت سے بے خبر نہیں۔ اسی لئے اوس نے صرف سرکاری زبان کو نامزد کیا ہے اور قومی زبان کے نشو و نما کو اُن قدرتی ذرایع پر چھوڑ دیا ہے جو ہر ملک کی قومی زبان کو تعمیر کیا کرتے ہیں۔ ہمارے جو لیڈر اور نیتا اپنے حکم سے قومی زبان بنانے پر تلے ہوئے ہیں وہ اپنے عارضی جوش یا اقتدار کے نشہ کی حالت میں زبانوں کے فطری قانون سے بغاوت کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد اپنی غلط اندیشی کے نتایج سے خبردار ہونگے۔

ایک خطرناک غلطی

دوسری خطرناک غلطی یہہ کی جارہی ہے کہ اس ہندی زبان کو جو ملک کے بازاروں اور کھیتوں اور کسان اور مزدور کی جھونپڑیوں کی زبان ہے اسطرح بدلا اور مسخ کیا جارہا ہے کہ اگر یہہ عمل جاری رہا تو جس ہندی کو اس ملک کے ہندو مسلمانوں کے باپ دادا ہندی کے نام سے پہچانتے تھے وہ فنا ہوجائیگی اور اُسکے بجائے دیوناگری رسم الخط کے ساتھہ ایک ایسی زبان عوام کے حلق میں ٹھونسی جائیگی جس سے گذشتہ صدیوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی گذری ہوئی نسلیں بالکل واقف نہ تھیں۔ ملک کے ہر مخلص خادم کے لئے یہہ امر تکلیف دہ ہے کہ مذہبی رہبانیت کے قدیم اقتدار کو اس شکل میں ہم پر مسلط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہماری جمہوریت میں اس قسم کی مذہبی رہبانیت یا ملائیت کا کوئی مقام نہیں ہے۔ وہ جمہوریت کی نفی ہے۔

اگر ان قدامت پرستوں اور رجعت پسندوں کے مقابلہ میں جو ہندی کو کچھہ اور ہی بنا رہے ہیں ہندستان کے ہر ہندو اور مسلمان قوم پرست نے ہندی کی حفاظت نہ کی تو زبان کے پردے میں ہماری جمہوریت کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ یہ ایک منصوبہ ہے جس سے ہمیں خبردار رہنا چاہئے۔ اسوقت ہندی زبان کو غیر الفاظ سے پاک کرنے کا بہت چرچا ہے۔ یہ مقصد ہماری تنگ نظری اور تنگ دلی کو کتنی ہی تسکین بخشے لیکن لسانیات کے ماہروں کی نظر میں یہ ایک فتنہ انگیز اور زبان کی جمہوریت کو ختم کردینے والا حربہ ہے۔ کوئی زبان

جو اس قسم کی چھوت چھات میں جکڑی جائے اور دوسری زبانون کے الفاظ سے اپنے کو "ناپاک" کرنا پسند نہ کرے نہ تو ترقی کرسکتی ہے اور نہ زیادہ عرصہ زندہ رہ سکتی ہے ۔ انگریزی زبان کی عالمگیر مقبولیت اور اوسکا اقتدار تو سب کو تسلیم ہے ' لیکن یہ بھی تو سوچنا چاہئیے کہ اگر انگریزی زبان کے بنانے والے اتنے ہی تنگ دل ہوتے اور ہر روز دوسری زبانون کے الفاظ کا نیا خون اسمین داخل کرنے کی بجائے یونانی اور لاطینی کی قدیم اصل سے اوسے وابستہ رکھکر پاک رکھنے پر اصرار کرتے تو اج اس عالمگیر زبان کی کیا حیثیت ہوتی ۔ خود اس صدی کی تاریخ میں ایران اور ترکی کی مثالیں موجود ہین جنھون نے زبان کی پاکی کا ایک تصور قایم کیا اور تاتاری اور پہلوی اصل سے اپنا ناتا قایم کرنے کی کوشش کی لیکن ۲۰ برس کے اندر ہی اونہیں اوس غلط راہ سے پلٹنا پڑا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ راہ ترقی کی نہیں بلکہ رجعت کی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی اور اقتدار کی حس بدهضمی میں ہمارے بعض لیڈر اسوقت مبتلا ہیں وہ ایک مرض کی حالت ہے جس نے انہیں وسعت نظر سے محروم کردیا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کیفیت عارضی ہے اور وہ زمانہ جلد آئیگا جب ہمارے یہ تمام نیتا اپنی غلطیون سے سبق سیکھینگے اور قدیم کی طرف سیاسی کے اس جذبہ اور زبان کی پاکی اور ناپاکی کے اس تصور کی موت کے قدرتی اسباب پیدا ہوجائینگے ۔

مشترکہ خاندان

میرا عقیدہ یہ ہے کہ اردو ' ہندی اور ہندستانی کے خاندان مشترکہ کی قدیم یک جہتی کو اس قسم کی غلطیاں مجروح تو کرسکتی ہیں لیکن ختم نہیں کرسکتین ۔ ہمیں اپنی جدوجہد پر بھروسہ کرکے بہتر زمانہ کا انتظار کرنا چاہئیے ہمیں تمام رجعت پسندون کے نعرون سے قطع نظر کرکے مضبوط بنیادون پر قومی زبان کی تعمیر کا کام جاری رکھنا چاہئیے ۔

احساس کمتری

اس کام میں جو کمزوری میں دیکھتا ہون وہ خود اردو اور ہندستانی کے حامیون کا "احساس کمتری" ہے ۔ وہ مایوس اور خوفزدہ نظر آتے ہیں ۔ انکے دماغون میں "شکست" اور فرار کی کیفیت پیدا ہے وہ جدوجہد سے بچکر عافیت اور خاموشی کے گوشے تلاش کررہے ہیں ۔ یہ گمان کہ اردو ایک اقلیت کی زبان ہے اس لئے اوسکا مستقبل تاریک ہے اصلاً غلط ہے ۔ ہند کی جمہوریت میں اب اقلیت اور اکثریت کا کوئی سوال باقی نہین اگر عملاً یہ سوال پیدا کیا جاتا ہے تو اقلیتیں اپنے ملک کے دستور کو اپنی سپر بناکر مخالف طاقتون کا مقابلہ کرسکتی ہیں ۔ آزاد ہندستان کی جمہوریت ہمارے حقوق کی ضمانت ہے لیکن کوئی ضمانت موثر نہیں ہوتی اگر حقدار خود اپنے حق کے لئے جدوجہد کرنے کی ہمت نہ رکھتے ہون ۔ اس جمہوریت میں ملک کی تمام زبانون کو ترقی کرنے اور مل جل کر قومی زبان بنانے کا موقعہ ملنا چاہئیے اگر یہ موقعہ نہیں ملتا ہے تو یہ بھی ہمارا ہی قصور ہے ۔ اگر اسوقت کوئی زبان سامراجیت کے انداز میں ملک کی دوسری زبانون کو دبانے کی کوشش کرتی ہے تو اوسکے کچھ مبہم حامی ہندستان کی آزادی کے دشمن ہیں ۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ بہت سا قیمتی وقت جو ملک کی ترقی کے کامون میں صرف ہونا چاہئیے لسانی سامراج کی جدوجہد مین ضایع کیا جارہا ہے ' لیکن ہمیں ان نے جذبات کی اس شورش سے بے پروا ہوکر اپنا کام کرنا چاہئیے ۔

شاخوں کا کام

اب میں دو چار باتیں اردو زبان کے ان حامیون سے کہنا چاہتا ہون جنھون نے لکھنو میں انجمن ترقی اردو کی شاخ قایم کرنے کا فیصلہ کیا ہے ۔ لکھنو اس صوبہ کا قلب ہے اور یہہ صوبہ اردو زبان کا مرکز ہے ' یہہ صرف اردو زبان ہی کا مرکز نہیں ہے بلکہ ہمارے ملک کے مشترکہ کلچر کا مرکز ہے ۔ اس لئے لکھنو کی شاخ کو سوچے اور سمجھے ہوئے اصولون پر پوری قوت اور پورے جوش کے ساتھ اپنا کام شروع کرنا چاہئیے ۔ آسے اپنے تعمیری کامون کا ایک نقشہ اور پروگرام بنانا چاہئیے جسکے مطابق کم سے کم وقت مین زیادہ سے زیادہ کام ہوسکے ۔ زبان کے متعلق نعمنی بحثون اور جھگڑون سے الگ رہ کر طے کرلینا چاہئیے کہ سب سے بڑا بنیادی کام صرف ایک ہے ' یعنی اردو اور ہندستانی بولنے اور پڑھنے والون کی

تعداد میں جلد سے جلد اور زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنا۔ مکتبوں اور مدرسوں کے ذریعہ سے بچوں اور بالغوں کی تعلیم کا انتظام جس قدر زیادہ اور مکمل ہوگا اسی قدر انجمن کے مقاصد کی تکمیل آسان ہوگی ۔ اس کام کے ساتھ تشہیر اور ھنگامہ آرائی میں وقت اور قوت صرف کرنے کا رجحان مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا ۔ میں جلسوں، کانفرنسوں مشاعروں اور "یوم" منانے کی مصروفیتوں کے خلاف نہیں ہوں۔ ان کاموں کی بھی ضرورت ہوتی ہے لیکن اسوقت جب کہ ان کاموں کے پیچھے کوئی ٹھوس اور تعمیری کام بھی جاری ہو۔ بغیر اسکے یہہ تمام تشہیر ایسی ہے جیسی کسی کارخانہ کا اشتہار اخباروں میں تو چھپے لیکن کارخانہ میں مال تیار نہ ہوتا ہو یا کسی دوکان پر سائن بورڈ تو بہت شاندار لگایا گیا ہو لیکن گاہکوں کی ضرورت کا سامان موجود نہ ہو! اس وقت حالت کچھہ ایسی ہو رہی ہے کہ ادبی ادارے اور انجمنیں کانفرنسوں اور مشاعروں اور "یوم" منانے میں وقت اور روپیہ صرف کرتے ہیں، لیکن تعمیری اور ٹھوس کام کچھہ بھی نہیں کرتیں ۔ انجمن کی شاخوں کو گاڑی کے پیچھے گھوڑا باندھنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور میں پھر عرض کرتا ہوں کہ لکھنؤ کی شاخ کو تو پہلے دن سے تمام شہر میں اپنے مکتبوں اور مدرسوں کا جال بچھا دینا چاہئے ۔ ہمارے کام کی یہی مستحکم بنیاد ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ لکھنؤ کی شاخ کے کارکن اور انجمن کی تمام شاخوں کے کارکن میری اس رائے سے پوری طرح متفق ہونگے ۔

ایک ضروری مسئلہ

اس موقعہ پر ایک اور ضروری مسئلہ کا ذکر کردینا مناسب ہوگا ۔ چونکہ ہمارا صوبہ ہمیشہ اردو زبان کی تعمیر اور ترقی کا بہت بڑا مرکز رہا ہے اس لئے اب وہ اردو کے فرقہ پرست مخالفوں کی جدوجہد کا بھی بہت بڑا مرکز بن گیا ہے ۔ صوبہ کے ہر گوشہ سے مرکزی انجمن اور ہماری شاخوں کے دفتروں میں یہ شکایتیں وصول ہورہی ہیں کہ مدراس میں اردو کی تعلیم کی جائز اسانیاں ختم کی جارہی ہیں اور اس تعلیم کا دروازہ سرعت میں بند کیا جارہا ہے ۔ اردو کی مخالفت کے اس محاذ پر نمایاں حصہ محکمہ تعلیم کے ماتحت عہدیدار لے رہے ہیں ۔ یہ صورت حال اب ناقابل برداشت ہوچکی ہے اور مرکزی انجمن مجبور ہے کہ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کی مناسب تدابیر اختیار کرے ۔ ضرورت ہوگی تو تمام صوبہ میں ایک دفاعی محاذ قایم کیا جائیگا ۔ لکھنؤ کی حد تک مرکزی انجمن نے اپنے جلسہ میں جو یکم مئی کو ہوا تھا ایک سب کمیٹی اس غرض سے مقرر کی تھی کہ وہ لکھنؤ اور دوسرے مقامات کے ان حالات کا جائزہ لیکر مرکزی انجمن کو رپورٹ کرے اور یہہ بھی بتائے کہ اس کی رائے میں ان حالات کی اصلاح کے لئے کیا کارروائی ضروری ہے ۔ یہہ کمیٹی اپنا کام کررہی ہے اور مجھے امید ہے کہ بہت جلد اسکی رپورٹ مرکزی انجمن میں بھیجی جائیگی۔ اس کے بعد فوراً ہی ہم طے کرینگے کہ ان بند دروازوں کو کھلوانے کے کیا طریقہ اختیار کریں۔ جو احباب قدرتاً اس معاملہ میں بہت بےچین ہو رہے ہیں انہیں میں یقین دلاتا ہوں کہ مرکزی انجمن ان حالات سے ذرا بھی غافل نہیں رہی اور وہ پوری قوت سے ان لڑکوں کی مدد کریگی جنکے بچے اردو زبان کی تعلیم سے محروم کئے جارہے ہیں ۔

اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے قاضی صاحب نے کہا:-

"آخر میں ایک دفعہ پھر میں آپ سے کہونگا کہ اردو زبان کے حامی اس احساس شکست اور احساس کمتری سے نجات حاصل کریں جو میں دیکھتا ہوں کہ ان کے بعض گوشوں پر مسلط ہے ۔ اس احساس نے ذہنوں اور دماغوں میں بےعملی اور جمود کی کیفیت پیدا کردی ہے ۔

اس مستحکم عقیدے کے کے ساتھ ہندوستان ہمارا وطن ہے جس میں ہر فرد کو شہریت کے پورے اور مساوی حقوق حاصل ہیں ہمیں جرأت کے ساتھ اپنے جائز حقوق کے لئے جد وجہد کرنی چاہئیے۔ ہم اس ملک کی تہذیب اور اوسکے مشترکہ کلچر میں برابر کے حصہ دار ہیں اور ہم اپنے ملک کی جمہوریت کے دائرے میں اپنی پیشانی پر اقلیت کا لیبل چپکانے کے لئے بالکل تیار نہیں۔ ہم کسی اکثریت کو بھی اکثریت تسلیم نہیں کرتے ہماری شہریت مساوات کی ضامن ہے۔ آزاد ہندوستان میں پنڈت کشن پرشاد کول اور عبدالغفار کے درمیان نام کے سوا کوئی فرق نہیں۔ ہم دونوں ہندوستانی شہریت کی ایک ہی سطح پر ہیں، میں نہ اپنی اقلیت کو تسلیم کرتا ہوں نہ پنڈت جی کی اکثریت کو۔

آج لکھنو میں انجمن ترقی اردو کی شاخ کا افتتاح کرتے ہوئے میرے دل میں یہہ عقیدہ پوری طرح بیدار ہے کہ اس ملک میں اردو کا مستقبل ہرگز تاریک نہیں۔ البتہ وہ موجودہ مخالف حالات میں ہماری پرخلوص جدوجہد کا ضرور محتاج ہے۔ اگر ہم اپنے احساس کمتری کو ترک کرکے ہند کے وفادار شہریوں کی حیثیت سے زبان کے معاملہ میں اپنے ان حقوق کے لئے اپنی صفیں درست کرکے کھڑے ہوجائیں جو ہمارے ملک کے دستور نے ہمارے حق میں محفوظ کئے ہیں تو ہمارے لئے مایوسی اور پست ہمتی کا ایک لمحہ بھی گناہ ہے۔ شرط صرف اتنی ہی ہے کہ ہم خلوص اور یک جہتی کے ساتھہ کام کریں اور محض باتوں اور کاغذی قراردادوں میں اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ ان قدیم اور فرسودہ رسم وراہ کی پابندیوں سے آزاد ہوکر ہمیں اپنے کام کے لئے نئی نئی راہیں تلاش کرنی ہونگی اور جب ہم ان راہوں کو تلاش کرنے میں اپنی بصیرت کو صرف کرینگے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ بہت سے وہ دروازے بھی جنہیں ہم نے ہمیشہ کے لئے بند سمجھا تھا بالآخر ہمارے لئے کھل سکتے ہیں۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے!

(نامہ نگار)

نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم و مغفور

علم و فضل، تہذیب، اخلاق اور شرافت کی دنیا میں مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کی رحلت ایک بہت بڑا حادثہ ہے۔ ہماری اس بد نصیب دنیا میں قدیم تہذیب اور کلچر اور علم و فضل کے دو چار ہی ایسے نمونے باقی رہ گئے تھے۔ ان میں سے بھی ہماری تہذیب اور شرافت کا یہہ آخری نشان سرنگوں ہو گیا! مرحوم و مغفور کی رحلت ہمارے لئے تو خاص طور پر ایک المناک حادثہ ہے اس لئے کہ انجمن سے ان کا تعلق بہت قدیم تھا اور انجمن کو ان کی سرپرستی سے علم و فضل کی دنیا میں ایک خاص تقویت حاصل تھی۔ حقیقت یہہ ہے کہ انجمن کے اراکین کی صف میں جو جگہ خالی ہوئی ہے وہ کبھی پر نہیں ہوسکتی اور اسی طرح مشرقی اخلاق و کردار کا جو نقش مٹا ہے وہ بھی اب نظر افروز نہیں ہوسکتا۔ قدیم تہذیب کی وہ ایک محفل تھی جسکی تمام شمعیں گل ہوگئیں۔ نئی دنیا اس روشنی سے محروم ہے۔ ہماری آیندہ نسلوں کے لئے اگر ہم اس روشنی کا کوئی گوشہ اب بھی محفوظ رکھہ سکتے ہیں تو صرف اسی طرح کہ اپنے بزرگوں کی ایسی یادگاریں قایم کریں جو نوجوان نسلوں کے تصورات کو اپنی طرف کھینچتی رہیں۔ مرحوم و مغفور کی کوئی ایسی علمی یادگار قایم کرنے کا مسئلہ جو انہیں اور ان کے نام نیک کو نئی نسلوں کے افکار و اعمال میں زندہ رکھے مسلم یونیورسٹی اور انجمن دونوں کے لئے قابل توجہ ہے۔

ہلکے ہلکے اشارے

امرتا بازار پتریکا لکھتا ہے کہ اگر حکومتوں کو اس ملک میں اعلی تعلیم جاری رکھنی ہے تو انہیں انگریزی زبان کو قایم رکھنا چاہئے۔ وہ بین الاقوامی زبان ہے اور کسی وقت بھی اس کو ترک کرنے کا امکان نہیں!

............یہہ اس بنگال کی آواز ہے جس نے ہندی کے حق میں ووٹ تو دیا لیکن اب وہ دوسرے صوبوں کی طرح ہندی کے حامیوں کی بالا دستی سے بیزار ہے! "سرکاری زبان" جب قومی زبان کا چولا بدلیگی۔ عوام کی قبولیت کے بغیر۔ اسی وقت اس قلعہ کی دیواروں میں رخنے پیدا ہونگے۔ سرکاری ہندی بیچاری اردو کو جتنا چاہے دبالے، لیکن ابھی تو علاقہ واری زبانوں کی عصبیت سے واسطہ پڑنے والا ہے!! ان زبانوں کے حامی ہندی پر انگریزی کو ترجیح دے رہے ہیں! انگریز، وہ انگریزیت اور انگریزی کی جڑیں کس قدر گہری ہیں، یہہ ہمیں معلوم ہے"

............اس مسئلہ کے متعلق عام رائے معلوم کی جارہی ہے کہ مغربی بنگال میں شہروں کے نام بدلے جائیں تو انکے نام کیا ہوں۔ اخبار شنکر کے کارٹونسٹ نے اپنے ایک کارٹون میں کلکتہ کے حسب ذیل نام تجویز کئے ہیں:۔

کالی کوٹا۔ کول کوٹا۔ کالی کوٹا۔ کہال کوٹا۔ کھولی کٹا۔ کول کوٹا۔ کول کوتہا۔ کل کوتا۔ کالی کہاٹ۔ وغیرہ وغیرہ۔

............اس مسئلہ کو اگر کسی ایگزیکٹیو کانفرنس کے پنڈتوں کی سپرد کردیا جائے تو یقیناً ایک موٹا سا، بہاری سا، رعب دار نام تجویز ہوسکتا ہے جس میں زبان کی "بہاری" کا خاص لحاظ رکہا جائیگا!!

............الہ آباد کے دوکانداروں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس عنوان سے ایک تحریک شروع کی جائے کہ "سائن بورڈ ہندی میں"۔ انہوں نے یہہ رزولیوشن پاس کیا ہے کہ تمام دوکاندار صرف ہندی زبان میں اپنے سائن بورڈ لکھوائیں۔

............منطقی عمل تو یوں ہوتا کہ پہلے سامان تجارت کے ناموں کو شدہ ہندی بنایا جاتا، پھر دوکانداروں کے ناموں کو پاک کیا جاتا، اس کے بعد سائن بورڈ بدلے جاتے! لیکن معاملات کی صورت الٹی ہورہی ہے، نیچے سے اوپر کی طرف ترقی کرنے کے بجائے اوپر سے نیچے کی طرف کودا جارہا ہے! سارا زور ناموں پر ہے، نوعیت پر نہیں ہے۔ چاہے دوکان پر خضاب لاجواب اور معجون روح افزا فروخت ہوتی ہو لیکن دوکان کا نام خالص ہندی ہو!! کپڑے بدلے جارہے ہیں، جسم کی کہال وہی ہے جو تھی!!۔ انقلاب زندہ باد!

مرکزی انجمن کے معتمد کا دورہ

(از نامہ نگار)

اہل بنارس کی دعوت کو قبول کرکے ۵ اگست کو قاضی عبدالغفار صاحب بنارس تشریف لائے۔ ریلوے اسٹیشن پر آن کے خیر مقدم کے لئے منجملہ دیگر ممتاز حضرات کے، منشی مہیش پرشاد صاحب (ہندو یونیورسٹی) مرزا نذیر الدین صاحب رئیس بنارس، زین العابدین صاحب ہیڈ ماسٹر، نذیر بنارسی صاحب، محمد یونس صاحب، ایم۔ اے رئیس بنارس اور دیگر حضرات موجود تھے۔ قاضی صاحب اپنے دوران قیام میں حاجی محمد صدیق، حاجی محمد فاروق صاحب رئیس مدن پورہ کے مہمان رہے۔

اسی شب کو قاضی صاحب نے مقامی کارکنوں سے تبادلہ خیال فرمایا اور دوسرے دن صبح کو انجمن کی شاخ کے دفتر کا افتتاح فرمایا۔ اس موقعہ پر قاضی صاحب نے مرکزی انجمن کے اغراض و مقاصد کی توضیح فرمائی اور حاضرین کو بتایا کہ بدلے ہوئے حالات میں انجمن کی تمام شاخوں اور اپنے دوسرے اداروں کا پہلا کام یہہ ہے کہ وہ مکتبوں اور مدرسوں کے ذریعہ سے اردو کی تعلیم کا انتظام کریں اور اردو بولنے اور پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ کریں۔ اس سے زیادہ بنیادی اور تعمیری کام کوئی نہیں ہے۔ بنارس کی شاخ کے اراکین میں سے پروفیسر رام کمار چوبے صاحب صدر انجمن اور حکیم آفتاب احمد صاحب جامعی اور عبدالرشید صاحب نے تقریریں کیں اور مرکزی انجمن کی ہدایات پر پوری طرح عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

اسکے بعد ۸ اور ۹ اگست کو قاضی صاحب نے

بنارس کے جن اداروں کا معائنہ فرمایا ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:-

عالیہ کتب خانہ، ادارہ ترقی حقوق مزدوران، شبینہ مدرسہ مالتی باغ، جامعہ رحمانیہ، مدن پورہ، کتب خانہ اسلامیہ مدن پورہ، کتب خانہ سعیدیہ، میوزیم ہندو یونیورسٹی وغیرہ۔

۱۶ اگست کی شام کو بنارس کے تمام عمائدین کے نمایندوں کی طرف سے ایک عصرانہ ترتیب دیا گیا جس میں ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا اور نذیر بنارسی صاحب نے اپنی نظم "خیر مقدم" پیش کی۔ سپاسنامہ کے جواب میں قاضی صاحب نے کہا کہ اب ہمیں ان رسمی چیزوں سے قطع نظر کرکے ٹھوس کام کی فکر کرنی چاہئے۔ مولوی عبد المتین صاحب رئیس بنارس نے قاضی صاحب اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

دوران قیام میں قاضی صاحب سے ہر مکتب خیال اور ہر طبقہ کے ممتاز اصحاب نے ملاقاتیں کیں۔ علاوہ منشی مہیش پرشاد صاحب اور مقامی انجمن کے اراکین اور عہدہ داروں کے ترقی پسند ادیبوں کے ممتاز نمایندوں نے بھی زبان کے مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا۔ ان میں سے خاص طور پر حسب ذیل اصحاب قابل ذکر ہیں:- افسانہ نویس جناب رام لال صاحب، ترقی پسند ہندستانی کمیٹی کے سکریٹری پنڈت شیو ناتھ پرشاد صاحب، منشی پریم چند مرحوم کے صاحبزادے جناب امرت رائے صاحب۔ بنگلہ کے مشہور ادیب شری مہندر چندر رائے صاحب اور ہندی کے مشہور شاعر پروفیسر شمبھو ناتھ (ودیا پیٹھ)۔ مولانا مکرم صاحب، زین العابدین صاحب ہیڈماسٹر میونسپل اسکول۔ ۱۷ اگست کی شب کو شعر و شاعری کی ایک مختصر محفل ترتیب دی گئی جس میں بنارس کے ممتاز شعرا نے اردو اور ہندی کا کلام سنایا۔ خاص طور پر قابل ذکر، حضرت مسلم، جناب نذیر، ڈاکٹر واسع، جوہر، سراج، سعید اختر، شمبھو ناتھ صاحب، تھے۔

۱۸ اگست کی صبح قاضی صاحب لکھنو تشریف لے گئے۔

لکھنو میں

لکھنو میں اردو کے ہمدردوں کی ایک بڑی تعداد انجمن کی شاخ قایم کرنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن قاضی صاحب اپنی مصروفیت کی وجہ سے لکھنو نہ آسکے تھے۔ اب احباب کی دعوت پر ۱۸ اگست کو بنارس سے لکھنو تشریف لائے۔ تین چار دن تک لکھنو کے ممتاز اصحاب سے ملنے جلنے اور تبادلہ خیال کرنے کے بعد ۲۱ اگست کو قاضی صاحب نے گنگا پرشاد میموریل ہال میں انجمن کے حامیوں اور ہمدردوں کے ایک جلسہ میں شرکت فرمائی۔ اس جلسہ میں لکھنو کے ہر حلقہ اور ہر مکتب خیال کے ممتاز اصحاب موجود تھے۔ پنڈت کشن پرشاد کول جلسہ کے صدر تھے۔ حضرت صفی اور نواب صدر یار جنگ مرحوم و مغفور کی رحلت پر تعزیتی قرار دادیں جناب صدر نے پیش کیں، انکے بعد منجملہ دیگر اصحاب کے مسٹر آل احمد سرور، احتشام حسین صاحب اور بیگم اعزاز رسول صاحبہ نے تقریریں کیں۔ جلسہ نے ایک قرار داد منظور کی جسمیں مرکزی انجمن کے اغراض و مقاصد کی پوری تائید کی گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ انجمن کی شاخ کا مرکز سے الحاق کرایا جائے۔ شاخ کے حسب ذیل عہدہ داروں کے انتخاب کا اعلان کیا گیا۔

صدر۔ پنڈت کشن پرشاد کول۔

نائب صدر۔ مولانا نیاز فتح پوری، مرزا جعفر علی خاں اثر، پنڈت آنند نرائن ملا اور پروفیسر مسعود حسن رضوی۔

جنرل سکریٹری۔ مسٹر حیات اللہ انصاری۔ اڈیٹر قومی آواز۔

جوائنٹ سکریٹری۔ محمد حسن عرشی صاحب اور مسٹر شجاعت علی۔

اراکین مجلس عاملہ۔ پنڈت میلا رام وفا، سید علی عباس حسینی، مسٹر نسیم انہونوی، مسٹر نسیم قریشی، مسٹر امین سلونوی، مسٹر آل احمد سرور احتشام حسین مسز رضیہ سجاد ظہیر اور سردار ست سنگھ۔

صوبہ کے مرکزی مقام پر مرکزی انجمن کی شاخ کا افتتاح سب سے زیادہ اس لئے امید افزا ہے کہ جو عہدہ دار چنے گئے ہیں وہ سب زبان کے مسئلہ میں گہری دلچسپی رکھنے والے اور کام کرنے والے اصحاب ہیں۔ شہر کے اکثر نمایاں اور ممتاز اصحاب جلسہ میں موجود تھے اور ان کی شرکت اور توجہ اس بات کی نوید ہے کہ اتر پردیش میں اردو زبان کی ترقی اور حفاظت کا سوال ہر گوشہ میں جدوجہد کا مرکز بنیگا۔

اپنے دیس کی خبریں

برہان پور

حافظ یوسف خاں صاحب کنوینر انجمن ترقی اردو برہان پور سے اطلاع دیتے ہیں کہ ۲۲ جولائی کو انجمن کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں اراکین کے علاوہ دوسرے مقامی اکابر نے بھی شرکت کی۔ فیصلہ کیا گیا کہ انجمن کے اراکین کی تعداد میں اضافہ کرنے کا کام پوری قوت سے شروع کیا جائے۔ یہ بھی طے پایا کہ تعلیم بالغان کی تحریک پر خاص توجہ کی جائے اور جامعہ اردو علی گڑھ کا نصاب تعلیم اختیار کیا جائے۔

مغلسرائے

بنارس ۴ اگست۔ قصاب محلہ میں مسلمانان مغلسرائے کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں چیرمین صاحب ڈسٹرکٹ بورڈ بنارس کے اس رویہ پر غور و خوض کیا گیا جو انہوں نے اردو زبان کے متعلق اختیار کر رکھا ہے۔ گذشتہ دو سال سے بیسک پرائمری اسکولوں سے ایک حکم کے ذریعہ اردو کو بالکل ختم کر دیا گیا ہے حالانکہ بعض ایسے مدارس جن میں اردو خواں طلبا کی چالیس پچاس فی صدی تعداد موجود تھی اور ان کے سرپرستوں نے اردو زبان کو باقی رکھنے کے لئے درخواستیں دیں مگر ان پر کوئی توجہ نہیں کی گئی جس سے بچوں کی تعلیم کا ناقابل تلافی نقصان ہوا۔ ماہ جولائی سنہ ۱۹۵۰ء میں بورڈ نے ایک حکم کے ذریعہ یکم اگست سنہ ۱۹۵۰ء سے ضلع بنارس کے بیشتر اسلامیہ اسکولوں کو بند کر دیا ہے جس سے طلباء اور ان کے سرپرست سخت پریشان ہیں کیونکہ ان کے لئے اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے حالانکہ یوپی گورنمنٹ کے سرکلر کے ذریعہ ان طلبا کے لئے اردو میں تعلیم دلانے کا انتظام کرنا ڈسٹرکٹ بورڈ کے لئے ضروری تھا۔

جلسہ میں ڈسٹرکٹ بورڈ بنارس کے اسلامیہ پرائمری اسکولوں کو یکم اگست سنہ ۱۹۵۰ء سے بند کر دینے کے حکم پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ ضلع کے پرائمری اسکولوں میں جہاں ایسے طلباء کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے جن کی مادری زبان اردو ہے اردو زبان کی تعلیم کا فوراً انتظام کیا جاوے۔

دہلی

۲۳ جولائی ۱۹۵۰ء بروز اتوار شب کو حضرت عبدالباسط جوش صاحب کی صدارت میں "یوم آزادی" کا سالانہ جلسہ انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام منعقد ہوا۔ جناب خادم کرنالی، جناب عزیز اسرائیل، جناب ظہیر قاسمی دہلوی صاحب نے اردو اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور حکومت سے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان ملک کی مشترکہ زبان ہے۔ اردو زبان کو ملکی زبان نہ کہنا سراسر بے انصافی ہے کیونکہ اردو ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں آسانی سے بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس کے بعد جناب صدر عبدالباسط جوش صاحب نے انجمن ترقی اردو کی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ مجھے امید ہے کہ آپ لوگ ادب کی خدمت کو جوش و خروش کے ساتھ انجام دیتے رہیں گے!

مرادآباد

انجمن بقائے ادب کی جانب سے مرادآباد میں ۸ اور ۹ اگست کو یوم چکبست منایا گیا۔ اس سلسلہ میں انجمن کے دفتر میں ۸ اگست کو شام کے چھ بجے سے ایک مخصوص ادبی نشست ہوئی جس میں مقالات پڑھے گئے۔ چکبست پر تنقیدی مضامین بھی لکھے۔ اور قطعات اور نظمیں بھی پڑھی گئیں۔ یہ اجتماع رات کو ۹ بجے تک جاری رہا۔

۹ اگست کو رات کے ساڑھے آٹھ بجے سے ٹاؤن ہال میں ایک عظیم الشان مشاعرہ زیر صدارت پروفیسر ایچ۔ سی۔ شرما صاحب صدر شعبہ انگریزی کے۔ جی۔ کالج منعقد ہوا۔ شہر کے علاوہ بیرونی شعراء کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ بیرونی شعراء میں حضرت علامہ انور صابری، اثر بچھرایونی، عامر عثمانی، شہاب جعفری بنارسی، ظہور سنبھلی، مجنون بریلوی، برقی سنبھلی، رونق شاہجہانپوری نے شرکت فرمائی۔

جامعہ میں صحافت کی تعلیم

(از ناظم نشر و اشاعت جامعہ)

.................چونکہ صحافت کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں، اس لئے یہ بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہندستان کی یونیورسٹیاں صحافت کی طرف توجہ کریں اور اُن نوجوانوں کی علمی اور عملی تربیت کا انتظام کریں جو صحافت کو پیشے کے طور پر اختیار کرنا چاہتے ہوں۔ بعض یونیورسٹیوں نے اس کا سلسلہ شروع کر دیا ہے، جامعہ ملیہ کی سند کو حکومت تسلیم نہیں کرتی تھی، اس لئے یہاں کا نصاب پہلے ہی سے ایسا رکھا گیا ہے کہ خیالات کو خوبی سے ادا کرنے کی صلاحیت جو کہ صحافت کی بنیادی صفت ہے، پوری نشو نما پا سکے، چنانچہ جامعہ کے کئی سند یافتہ طالبعلموں نے صحافت میں امتیاز حاصل کیا۔ اب وہ تمام رکاوٹیں جو قومی درسگاہ ہونے کے سبب سے پیدا ہوتی تھیں دور ہو گئی ہیں یا سال دو سال کے اندر دور ہو جائیں گی، اس لئے جامعہ میں صحافت کا خاص نصاب جاری کیا گیا ہے۔ جامعہ کی فضا اور جامعہ والوں کے تعلقات صحافتی قابلیت کی پرورش کے لئے موزوں ہیں اور اس کا بھی معقول انتظام کیا جا سکے گا کہ طالب علموں کو صحافت کے عملی پہلو سے بھی اچھی واقفیت ہو جائے۔

صحافت کے کلاس میں داخلے کی شرط یہ ہوگی کہ امیدوار نے کسی یونیورسٹی یا بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن کے میٹرک کا امتحان پاس کیا ہو یا ایسا کوئی امتحان جسے جامعہ کی مجلس تعلیمی میٹرک کے مساوی قرار دے۔ جو طالبعلم نصاب کی تکمیل کر کے وہ امتحان پاس کر لیں گے جو جامعہ کی مجلس تعلیمی مقرر کرے، انہیں صحافت کی سند دی جائے گی۔

صحافت کے نصاب کے دو حصے ہوں گے جن میں سے ہر ایک کی مدت دو سال ہوگی۔ پہلے دو سال کے مضامین حسب ذیل ہوں گے :-

(۱) **دینیات** :- بدھ مذہب اور اسکی تاریخ یا عیسائی مذہب اور اسکی تاریخ یا ہندو مذہب اور اسکی تاریخ یا اسلام اور تاریخ اسلام۔ (۲) زبان اور ادب :- ہندی اور انگریزی یا اردو اور انگریزی۔ (۳) تاریخ عالم (۴) معاشیات۔ (۵) سیاسیات۔

تیسرے اور چوتھے سال کے مضامین حسب ذیل ہوں گے :-

(۱) علم مذہب (۲) ہندی یا اردو یا انگریزی زبان اور ادب اور تنقید کے اصول (۳) تاریخ ہند یا بین اقوامی سیاست کاری (۱۸۰۶ کے بعد سے) اور بین اقوامی قانون (جس میں پریس اور اطلاعات کے بارے میں مختلف قوموں کے اور بین اقوامی قانون شامل ہوں گے)

(۴) معاشیات (۵) عمرانیات یا فنون لطیفہ کی تاریخ۔

ان مضامین کے علاوہ ریکارڈ کا کام ہوگا جو صحافت کی مشق پر مشتمل ہوگا جیسے کہ خلاصے تیار کرنا نامہ نگاری، تنقید، اخبار کی ترتیب۔

"آثار ابو الکلام آزاد"

(از قاضی عبد الغفار)

حضرت مولانا آزاد کی علمی زندگی اُن کی نفسیاتی زندگی سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ جس وقت اس کتاب کی ترتیب کا خیال آیا تھا تو مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ حضرت مولانا کی شخصیت کا خود اُن کے ادب کے آئینہ میں جو عکس نظر آتا ہے اُسے پیش کیا جائے لیکن پبلشرز کے اصرار پر اس ادبی تبصرہ میں سوانح عمری کے ایک باب کا بھی اضافہ کرنا پڑا بہر حال کتاب کی روح اُس کا وہی حصہ ہے جس میں حضرت مولانا کے ادب کے آئینہ میں اُن کی جبین کے عکس کو پکڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اردو زبان کے ادب میں اس قسم کا "مطالعہ" بہت ہی کمیاب ہے۔

قیمت چھ روپیہ

مہتمم انجمن ترقی اردو۔ علیگڑھ

باہتمام عزیز حسین عزیز منیجر مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈھ چھپا اور قاضی عبد الغفار صاحب پبلشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اردو علی گڈھ سے شائع کیا۔